درس ۹

اثباتِ آخرت کیلئے قرآن کا استدلال

سورۃ القیامہ کی روشنی میں (۳)

○

عُجلت خیر میں بھی پسندیدہ نہیں

وقوع قیامت اور اثباتِ آخرت کے ضمن میں منکرین کے اعتراضات' اشکالات اور شبہات کے جواب کا مطالعہ مکمل کرنے کے بعد' اب ہمیں ان چار آیات (۱۶ تا ۱۹) کا مطالعہ کرنا ہے' جن میں خطاب براہ راست نبی اکرم ﷺ سے ہے اور جن میں اولاً آپؐ کو تحصیل قرآن کے ضمن میں فرط شوق و اشتیاق کی بناء پر عجلت پسندی سے نہایت شفقت و محبت کے ساتھ روکا گیا ہے' اور اس کے ساتھ ہی آپؐ کو یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ متن قرآن کے ضمن میں جمع و ترتیب اور مطالب قرآن کے ضمن میں تفتیش و تدقیق کے لئے آپؐ کو زحمت اور مشقت کی ضرورت نہیں ہے' ان جملہ امور کی کامل ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے۔ تو آیئے کہ پہلے ان آیات مبارکہ کا ایک سلیس و رواں ترجمہ سامنے رکھ لیں اور پھر ان میں سے مقدم الذکر مضمون پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ غور کریں۔

﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ○ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ○ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ○ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ○ ﴾

"(اے نبیؐ) آپ اِس (قرآن) کے ساتھ اپنی زبان کو (تیزی سے) حرکت مت دیا کیجئے کہ اسے جلدی سے حاصل کریں۔ ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھوانا۔ تو پھر جب ہم اِسے پڑھ چکیں تو اس پڑھنے کی آپ (بھی) پیروی کیجئے'

پھر ہمارے ہی ذمہ ہے اِس کی وضاحت بھی!"

یہ بات اس سے پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ قرآن مجید کا اسلوب چونکہ خطبہ کا ہے اور خطبہ میں تحویل خطاب ہوتا رہتا ہے کہ ابھی خطیب کسی ایک جانب مخاطب تھا' پھر اس کا خطاب دوسری جانب ہو گیا۔ مزید برآں کبھی وہ حاضر کو غائب فرض کر کے گفتگو کرتا ہے اور کبھی غائب کو حاضر فرض کر کے گفتگو شروع کر دیتا ہے۔ سورۃ القیامہ میں اس کی ایک نمایاں مثال زیر مطالعہ آیات کی صورت میں موجود ہے۔ اس لئے کہ یہ سورۂ مبارکہ از اول تا آخر مختلف اسالیب سے منکرین قیامت کے ساتھ بحث و گفتگو اور ردوقدح پر مشتمل ہے' لیکن درمیان میں خطاب کا رُخ نبی اکرم ﷺ کی جانب مڑ گیا۔ اس ضمن میں سب سے پہلے تو ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کے اصل مضمون کے ساتھ اس گفتگو کا ربط و تعلق کیا ہے! اس لئے کہ چاہے کسی سلسلہ کلام میں کوئی بات ضمنی طور پر آئی ہو لیکن ظاہر ہے کہ کلام کے عمود کے ساتھ اس کا کوئی نہ کوئی ربط ضرور ہوتا ہے' خواہ وہ کتنا ہی "خفی" ہو۔ چنانچہ اس سورۂ مبارکہ میں لوگوں کی گمراہی کا ایک اہم اور بنیادی سبب "حُبِّ عاجلہ" کو قرار دیا گیا ہے :

﴿ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ○ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ○ ﴾

"ہرگز نہیں' بلکہ (تمہاری گمراہی کا اصل سبب یہ ہے کہ) تم عاجلہ کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہو اور آخرت کو نظرانداز کر دیتے ہو۔"

یعنی اِنسان کی گمراہی کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ "عاجلہ" یعنی دنیا سے دل لگا بیٹھتا ہے' اسلئے کہ اسکی لذتیں بھی فی الفور محسوس ہوتی ہیں اور انسان ان سے شادکام ہوتا ہے اور اسکی کلفتیں اور اذیتیں بھی انسان کو فوری طور پر متاثر کرتی ہیں۔ گویا دنیا کا نفع بھی نقد ہے اور نقصان بھی۔ چنانچہ جب یہ "عاجلہ" انسان کا اصل مطلوب و مقصود بن جاتی ہے تو اس کائنات اور اسکی تخلیق کے وسیع ترین حقائق اور بلند ترین مقاصد انسان کی نگاہوں سے خود بخود اوجھل ہو جاتے ہیں' اور انسان کا شعور ان سے محجوب ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً وہ آخرت کو مختلف غلط تاویلات سے نظرانداز کر دیتا ہے' بلکہ اس پر اعتراضات' اشکالات اور شبہات وارد کرتا ہے' حتیٰ کہ اسے محال مطلق گردانتا ہے اور اس کا انکار کر دیتا ہے۔

یہاں ایک نہایت لطیف لفظی مناسبت سے بات کا رُخ حضور اکرم ﷺ کی طرف موڑ دیا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے : ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝﴾ "(اے نبیؐ!) آپ اپنی زبان کو تیزی سے حرکت نہ دیں کہ قرآن کو جلدی سے یاد کرلیں یا حاصل کر لیں"۔ یہاں عجلت کے ذکر سے اِس عظیم حقیقت کی جانب اِشارہ فرمادیا گیا ہے کہ "عجلت پسندی" وہ چیز ہے جو خیر کے لئے بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ بلکہ "سہج پکے سو میٹھا ہو" کے مصداق خیر اور نیکی کے کاموں میں بھی مناسب تدریج اور میانہ روی پیش نظر رہنی چاہئے' تب ہی ان میں تمکن و استحکام بھی پیدا ہوتا ہے اور نتائج بھی صحیح اور متوازن طور پر برآمد ہوتے ہیں۔ الغرض' یہ تو ایک بڑی لطیف معنوی ربط کی بات تھی جس کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کی طرف خطاب کا رخ مڑ گیا۔

البتہ یہاں عجلت پسندی کے متعلق یہ بات بھی نوٹ کرلی جائے تو مناسب ہو گا کہ قرآن حکیم اس کو انسان کی طبعی کمزوریوں میں شمار کرتا ہے۔ چنانچہ سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہوتا ہے : ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ یعنی "انسان کی خلقت اور سرشت میں جلد بازی کا عنصر شامل ہے" (آیت ۳۷)۔ یہ بالکل وہی اسلوب ہے جو سورۃ النساء میں وارد ہوا کہ : ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾ "انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے" (آیت ۲۸)۔ پس معلوم ہوا کہ انسان کی خلقت اور سرشت میں بعض پہلو ضعف کے ہیں' جن میں سے ایک عجلت پسندی بھی ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا : ﴿كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا﴾ "انسان بہت جلد باز واقع ہوا ہے" (آیت ۱۱)۔ اب ظاہر ہے کہ اگر اس عجلت پسندی کا رُخ شر اور نفس پرستی کی طرف ہو جائے تب تو اس کی تباہ کاری اور ہولناکی اظہر من الشمس ہے ہی' لیکن اگر عجلت پسندی کا رخ خیر کی جانب ہو تب بھی یہ ایک غیر مطلوب اور ناپسندیدہ شے ہے۔ اس کی سب سے زیادہ نمایاں مثال سورۂ طٰہٰ میں آئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب کوہ طور پر اللہ تعالیٰ نے طلب فرمایا تو آں جنابؑ وقت مقررہ سے پہلے پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سوال کیا : ﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى﴾ "اے موسیٰ! تم وقت مقررہ سے قبل اپنی قوم کو چھوڑ کر کیوں آ گئے؟" حضرت موسیٰؑ نے جواباً عرض کیا : ﴿هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى﴾ "پروردگار' وہ بھی

میرے پیچھے پیچھے چلے آرہے ہیں اور میرے رب! میں تو تیری طرف جلدی کر کے اس لئے آیا ہوں کہ تو راضی ہو جائے" (آیات ۸۳'۸۴)۔ گویا وہ جو ایک مشہور مصرع ہے ؎ "تو میرا شوق دیکھ' مرا انتظار دیکھ!" اس میں تھوڑا سا تصرف کر لیجئے کہ ع "تو میرا شوق دیکھ' مرا اشتیاق دیکھ!" یعنی میں تو اے رب! تیری ملاقات کے شوق میں جلدی کر کے پہلے آگیا ہوں۔ لیکن اب اللہ تعالیٰ کا جواب ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد ہوا : ﴿قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ﴾ "اللہ نے فرمایا : (اے موسیٰ' تمہاری عجلت کا نتیجہ یہ نکل چکا ہے کہ) ہم نے تمہارے پیچھے تمہاری قوم کو فتنہ میں مبتلا کر دیا ہے اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا ہے" (آیت ۸۵)۔ معلوم ہوا کہ اگرچہ حضرت موسیٰؑ کی عجلت اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور مخاطبہ الٰہی سے شاد کام ہونے کے اشتیاق پر مبنی تھی' جو سراسر خیر اور ہر اعتبار سے قابل تعریف جذبہ ہے' لیکن عالم واقعہ میں اس کا بھی ناپسندیدہ نتیجہ ظاہر ہوا۔

اسی سورۂ طٰہٰ میں نبی اکرم ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا گیا : ﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ یعنی اے نبی ﷺ آپ کا ذوق و شوق ہمارے علم میں ہے۔ آپ کا یہ اشتیاق اپنی جگہ! لیکن ہم نے نزول قرآن کے لئے ایک ترتیب اور ایک تدریج مقرر کر رکھی ہے۔ ہماری حکمت بالغہ میں اس کا جو بھی وقت معین ہے' اس کا نزول اسی کے مطابق ہو گا۔ رہی علم کی وہ پیاس جو آپ کو اپنے قلب مبارک میں شدت کے ساتھ محسوس ہوتی ہے تو اس کے لئے آپ دعا کرتے رہا کیجئے کہ "اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما" (آیت ۱۱۴)۔

سورۂ مریم میں یہی مضمون اس انداز میں وارد ہوا ہے کہ آنحضور ﷺ کے شوق و اشتیاق اور وحی کے انتظار کے متعلق حضرت جبرئیلؑ سے کہلوایا گیا : ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ "ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہو سکتے۔ جو کچھ ہمارے سامنے ہے اس کا اختیار بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اس کا اختیار بھی اسی کے ہاتھ میں ہے' اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے اس کا اختیار بھی کلیتاً اسی کے پاس ہے۔ اور آپ کا

رب بھولنے والا نہیں ہے!" (آیت : ۶۴) ـــــ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ سے شکوہ کیا ہوگا کہ آپ دیر دیر سے اور وقفہ دے کر آتے ہیں' بلکہ ہمیں وحی کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔ اِس شکوہ کا جواب ہے جو حضرت جبرئیلؑ کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے دلوایا کہ ہم اللہ کے حکم سے وحی لے کر آتے ہیں۔ اُس کا علم کامل ہے' کائنات کی کوئی چیز اُس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ تاخیر و تعویق اس کے کسی نسیان کے باعث نہیں ہے بلکہ اس کی حکمت بالغہ کے مطابق ہے۔

پھر اسی سورۂ مریم میں حضور اکرم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا : ﴿فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۚ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا﴾ "پس (اے نبی) آپ ان (کافروں) پر عذاب کے نزول کے لئے جلدی نہ کیجئے۔ بالتحقیق ہم اُن کے لئے (دن) گن رہے ہیں" (آیت : ۸۴)۔ یعنی یہ کفار و مشرکین ہماری گرفت میں ہیں' کہیں بھاگ کر نہیں جا سکیں گے۔ ان میں سے ہر ایک کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے گا۔ لیکن اس کے لئے بھی ایک مہلت ہمارے علم کامل اور حکمت بالغہ میں معین ہے ـــــ اور جیسے سورۃ الطارق میں ارشاد فرمایا گیا : ﴿فَمَهِّلِ الْكَافِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝﴾ "پس (اے نبی) ان کافروں کو ذرا کی ذرا ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ ان کے لئے جو ڈھیل اور مہلت ہم نے مقرر کر رکھی ہے ذرا اسے ختم ہو لینے دیجئے!" یعنی ہمارے علم کامل میں ہر چیز کا وقت معین ہے۔ اجل مسمّی کو کوئی ٹال نہیں سکے گا۔ اور جب وہ وقت معین آجائے گا تو ان کا حساب پاک کر دیا جائے گا۔

الغرض یہاں پہلی بات یہ ارشاد فرمائی گئی کہ اے نبی! آپ قرآن کو یاد کرنے کے لئے جلدی نہ کیا کیجئے اور اس کے لئے اپنی زبان کو تیزی سے حرکت نہ دیا کیجئے ـــــ اور اس مضمون کو عجلت کی لفظی مناسبت کی بناء پر سورۃ القیامہ میں نگینے کے مانند جڑ دیا گیا کہ عجلت پسندی تو وہ شے ہے جو نیکی اور خیر کے کاموں کے ساتھ بھی مناسبت نہیں رکھتی' کجا یہ کہ انسان پر "حُبِّ عاجلہ" کا ایسا غلبہ ہو جائے کہ اس کی ساری جدوجہد' سعی و محنت اور تگ و دو کا مقصود و مطلوب ہی صرف "عاجلہ" یعنی دنیا کی دولت و ثروت اور جاہ و حشمت کا حصول بن کر رہ جائے۔ تو اس کے جو خراب نتائج نکلیں گے ان کا تم خود بخوبی اندازہ کر سکتے ہو۔ اس پورے مفہوم کو دریا کو کوزے میں بند کرنے کے انداز میں نہایت فصاحت و

بلاغت کے ساتھ ان دو آیات میں سمو دیا گیا۔ یعنی تمہاری تمام تر گمراہی اور ضلالت' اور کفر و تکذیب' اور اعراض و انکار کا اصل سبب یہ ہے کہ تم عاجلہ (اس دنیا) کی محبت میں گرفتار ہو اور آخرت کو نظرانداز کر دیتے ہو۔

یہاں ضمناً ایک وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید میں "سَارِعُوْا" اور "سَابِقُوْا" کے الفاظ بھی متعدد مقامات پر وارد ہوئے ہیں' جیسے سورۂ آل عمران میں فرمایا : ﴿ وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ اور دوڑ لگاؤ اپنے رب کی مغفرت کی طرف!" (آیت ۱۳۳) اسی طرح سورۃ الحدید کی آیت ۲۱ میں فرمایا گیا : ﴿ سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ "ایک دوسرے سے آگے نکلو اپنے رب کی مغفرت کی طرف!"۔ "سَارِعُوْا" اور "سَابِقُوْا" فعل امر کے صیغے ہیں۔ سورۃ المومنون کی آیت ۶۱ میں مومنین صادقین کے اوصاف کے ضمن میں یہ دونوں الفاظ خبریہ انداز میں فعل مضارع اور اسم فاعل کی صورت میں وارد ہوئے ہیں : ﴿ اُولٰٓئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴾ "یہی لوگ ہیں جو بھلائیوں کے لئے تیز گام ہیں اور اس راہ میں سب سے آگے نکل جانے والے ہیں"۔ سرِع' یسرَع سے باب مفاعلہ کا مصدر ہے "مسارعة" اور سبَق یسبِق سے باب مفاعلہ ہی کا مصدر ہے "مُسَابَقَة" ـــــــ اور یہ دونوں قریب المفہوم اور تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں۔ ان دونوں کا مفہوم ہے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں دوڑ لگانا۔ البتہ مسارعت و مسابقت اپنے اساسی مفہوم کے اعتبار سے عجلت پسندی سے قدرے مختلف شے ہے۔ واضح رہے کہ مسارعت اور مسابقت کا جذبہ بھی طبع انسانی میں ودیعت شدہ موجود ہے۔ چنانچہ ہر انسان دوسرے لوگوں سے آگے نکلنا اور بڑھنا چاہتا ہے۔ قرآن مجید مسارعت و مسابقت کے اس جذبہ کے رخ کو خیر کی طرف موڑ دینا چاہتا ہے۔ وہ انسان کو تعلیم دیتا اور تلقین کرتا ہے کہ "دنیا" یعنی دنیوی دولت و ثروت اور جاہ و حشمت کے حصول میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی سعی و کوشش کرنے کے بجائے تم بھلائیوں میں' نیکیوں میں' خیر میں' خدمت خلق میں' عبادات کی بجا آوری میں' دین کے احکام اور اس کے اوامر و نواہی کی تعمیل میں' دین کی دعوت و تبلیغ اور نشر و اشاعت کی سعی و جہد میں اور اقامت دین اور غلبہ دین کے لئے انفاق مال اور

بذل نفس میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔ یہ اللہ کی مغفرت اور جنت کے شاہ درے ہیں۔

البتہ ہر کام کے لئے مناسب تدریج بھی ضروری ہے اور اس کی جملہ شرائط کو پورا کرنے میں جو مناسب وقت لگنا چاہئے اس کے ضمن میں صبر کا مظاہرہ بھی ضروری ہے۔ جیسے اگر نماز کو بہت جلدی جلدی پڑھا جا رہا ہو تو حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق ایسی نماز ادا نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک بدوی مسلمان نے مسجد نبویؐ میں آکر جلدی جلدی نماز پڑھ لی تو حضور ﷺ نے اس سے فرمایا : ((صَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ)) "دوبارہ نماز پڑھ' اس لئے کہ تیری نماز ادا نہیں ہوئی"۔ لہٰذا نماز کے ہر رکن کا حق پورے سکون اور ٹھہراؤ کے ساتھ ادا کرنا ضروری اور لازمی ہے۔ اسی طرح اگرچہ قرآن حکیم میں نماز جمعہ کے بارے میں فرمایا گیا : ﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ﴾ جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ "جب نمازِ جمعہ کے لئے اذان ہو جائے تو اللہ کی یاد کے لئے دوڑو۔" لیکن تمام مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہاں سعی (فاسعوا) سے دوڑنا مراد نہیں ہے۔ اس لئے کہ نماز کے لئے دوڑ کر آنے سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے' یہ وقار اور سکینت کے منافی ہے۔ لہٰذا یہاں سعی سے مراد لپکنا ہو گا۔ یعنی اپنے تمام کاموں سے ذہنی و عملی تعلق توڑ کر جمعہ کی نماز کے لئے لپکو اور ہمہ تن اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

اللہ کی جانب سے متن قرآن کی حفاظت
اور معانی قرآن کی وضاحت کی ضمانت

آیت ۱۶ میں نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے جو بات فرمائی گئی یعنی آنحضورؐ کو اپنی زبان مبارک کو قرآن حکیم کے ساتھ تیزی کے ساتھ حرکت دینے سے کمال شفقت و محبت کے ساتھ روکا گیا' تو آپؐ کے اس طرز عمل کا ایک سبب تو وہ تھا جو جلی انداز میں بیان کر دیا گیا' یعنی آپؐ کی قرآن حکیم کے ساتھ غایت درجہ کی محبت اور اس کا حد درجہ

شوق' جس کے نتیجے میں آپؐ نازل شدہ آیات قرآنی کو جلد از جلد یاد کرلینا چاہتے تھے تاکہ مزید وحی نازل ہو ـــــ لیکن آیت ۱۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے وحی قرآنی کو یاد کرنے کے لئے تیزی سے زبان مبارک کو حرکت دینے اور اس طرح شدید مشقت برداشت کرنے کا ایک دوسرا سبب بھی تھا' اور وہ یہ کہ آپؐ چاہتے تھے کہ آپؐ وحی کے الفاظ کو اچھی طرح یاد کرلیں' مبادا اس کا کوئی حصہ آپؐ کی یادداشت میں محفوظ نہ رہے اور اس طرح قرآن مجید کا کوئی لفظ یا کوئی آیت ضائع ہو جائے۔ چنانچہ آپؐ کی اس تشویش کو رفع کرنے کے لئے ارشاد فرمایا گیا : ﴿اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ﴾ "یقیناً ہمارے ذمے ہے اس (قرآن) کو جمع کر دینا بھی اور اس کا پڑھنا (یا پڑھوانا) بھی!"

وجوبِ حفاظتِ قرآن

یہ آیہ مبارکہ جمع و ترتیب قرآن اور حفاظت متن قرآن کے ضمن میں قرآن حکیم کی اہم ترین آیت کی حیثیت رکھتی ہے' اس لئے کہ اگرچہ سورۃ الحجر کی آیت ۹ میں بھی حفاظت قرآن کے ضمن میں اللہ کا پختہ وعدہ وارد ہوا ہے کہ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝﴾ "یقیناً ہم نے ہی اس نصیحت اور یاددہانی کو نازل فرمایا ہے اور خود ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں" لیکن یہ حقیقت بادنیٰ تامل واضح ہو جاتی ہے کہ اس موضوع پر قرآن کا ذروۂ سنام سورۃ القیامہ کی آیت ۱۷ ہی ہے' اس لئے کہ ایک تو اس میں حفاظت کی مزید وضاحت دو الفاظ کے ذریعے کی گئی یعنی "جَمْعَهٗ" اور "قُرْاٰنَهٗ" اور دوسرے اس میں جو حرف جار "علٰی" وارد ہوا ہے (عَلَیْنَا) اس کا لازمی نتیجہ "وجوب" ہے' یعنی جمع و ترتیب قرآن اور حفاظت متن قرآن کو اللہ نے اپنے اوپر واجب کرلیا ہے' اور اگرچہ اہل سنت ایک کلامی اختلاف کے باعث اللہ تعالیٰ پر کسی چیز کا "وجوب" تسلیم نہیں کرتے' لہٰذا اس مقام پر اس سے مراد "وجوب" نہیں بلکہ "وعدہ" لیتے ہیں' لیکن ظاہر ہے کہ اس کا حاصل بھی وہی ہے' اس لئے کہ اللہ کا وعدہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں دو بار یہ ارشاد فرمایا کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ﴾ "یقیناً اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا!" (آل عمران : ۹ اور الرعد : ۳۱) اور دو

ہی بار یہ فرمایا کہ "اللہ ہرگز خلاف نہیں کرے گا اپنے وعدے کے!" (البقرہ : ۸۰ اور الحج : ۴۷) گویا اللہ تعالیٰ اور قرآن حکیم پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کو قرآن مجید کے متن کی سالمیت اور محفوظیت کے معاملے میں ہرگز کبھی کسی قسم کا شک و شبہ لاحق نہیں ہو سکتا۔

جمع قرآن کے دو مراحل

اس آیہ مبارکہ میں جمع قرآن کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی جس ذمہ داری کا ذکر ہے اس کا اولین مصداق تو جمیع مفسرین و محققین کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ نے قرآن مجید کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں جمع فرما دیا تھا۔ یہ تو ایک ایسی حقیقت ہے جس کے ضمن میں کسی کو کوئی اختلاف یا اشتباہ ہو ہی نہیں سکتا۔ البتہ جمع قرآن کے دوسرے مرحلے کے ضمن میں مختلف النوع شبہات لاعلمی کے باعث بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں پائے جاتے ہیں۔

جمع قرآن کا یہ مرحلہ ثانی قرآن مجید کو ایک کتابی شکل میں جمع کرنے کا تھا جو بالاجماع نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد طے پایا' اس لئے کہ اس پر اتفاق ہے کہ "مَا بَیْنَ الدُّفَّتَیْن" (جلد کے دو گتوں کے درمیان) قرآن کا ایک کتاب کی صورت میں جمع ہو جانا آنحضورؐ کی حیات دنیوی کے دوران نہیں ہوا تھا۔ اُس وقت تک قرآن جس طرح نبی اکرم ﷺ کے سینہ مبارک میں جمع تھا اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد کے بھی صرف سینوں میں محفوظ تھا۔

اس مرحلہ ثانی کے بارے میں ایک بالکل غلط اور بے بنیاد بات تو وہ ہے جو خلیفہ ثالث ذوالنورین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ قافیہ کی مناسبت سے "جَامِعُ آیاتِ القُرآن" کے الفاظ چسپاں کر دینے کے باعث بہت بڑے حلقے میں پھیل گئی ہے' جس سے ذہنوں میں خواہ مخواہ یہ وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے کہ شاید قرآن کتابی صورت میں نبی اکرم ﷺ کے وصال کے کم از کم پندرہ بیس سال بعد جمع ہوا' اور یہ وسوسہ منطقی طور پر بہت سے شکوک و شبہات کو جنم دینے کا باعث بن جاتا ہے' جبکہ واقعہ

اس کے بالکل برعکس یہ ہے کہ مصحف کی صورت میں قرآن مجید کے جمع ہو جانے کا مرحلہ تو دور خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی میں 'گویا نبی اکرم ﷺ کی وفات کے زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سال کے اندر اندر' طے پا گیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے تو فی الواقع اُمت کو قرآن کے ایک رسم الخط پر جمع کیا تھا۔ گویا اگر قافیہ کی رعایت ہی ملحوظ رہے تب بھی اُن کی شان میں "جامِعُ الْاُمَّةِ عَلَی القُرآن" کے الفاظ زیادہ موزوں بھی ہیں اور مطابق واقعہ بھی!

سورتوں اور آیات کی ترتیب

جمع قرآن کے ضمن میں دوسرا بڑا وسوسہ اور مغالطہ آیات اور سورتوں کی باہمی ترتیب سے متعلق ہے' جس کے ازالے کے لئے اولاً تو لفظ "جَمْعَهٗ" ہی میں واضح اشارہ موجود ہے' اس لئے کہ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ قرآن کا جمع ہونا بغیر ترتیب کے ممکن نہیں ہے۔ ثانیاً اس کی مزید وضاحت و صراحت دوسرے لفظ یعنی "قُرْاٰنَهٗ" کے ذریعے کر دی گئی' جس کا ترجمہ "اس کا پڑھنا" بھی کیا جا سکتا ہے اور "پڑھوانا" بھی۔ لیکن اگر اس اصول کو پیش نظر رکھا جائے کہ "قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تفسیر و توضیح کرتا ہے" تو سورۃ الاعلیٰ کی آیت ۶ ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى﴾ یعنی "ہم عنقریب آپ کو پڑھوا دیں گے تو آپ بھولیں گے نہیں" کے مطابق یہاں بھی زیادہ موزوں ترجمہ "پڑھوانا" ہی ہو گا۔ چنانچہ اگلی آیت مبارکہ یعنی ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾ "تو جب ہم پڑھوائیں تو آپ اسی پڑھوانے کی پیروی کریں" مزید دلالت کر رہی کہ یہاں زیادہ زور اور تاکید ترتیب قرآنی کے بارے میں ہے' اس لئے کہ اولاً پڑھوانا لامحالہ کسی ترتیب ہی کے ساتھ ممکن ہے اور ثانیاً نبی اکرم ﷺ کو اسی ترتیب کی پابندی اور پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔

"قَرَاْنَاهُ" میں جو ضمیر فاعلی جمع متکلم کے صیغہ میں موجود ہے اس کے بارے میں اگرچہ دو احتمالات موجود ہیں' یعنی ایک یہ کہ اس کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہو اور دوسرے یہ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں' لیکن بمفہوم آیات قرآنی ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ "جو رسول کی اطاعت کرتا ہے اس نے اصلاً اللہ ہی کی اطاعت کی" (النساء:۸۰) اور ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ "یقیناً جو لوگ (اے

نبیؐ) آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں" (الفتح ۱۰) ان دونوں احتمالات سے معنی اور مراد میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ گویا فی الحقیقت تو اس پڑھوانے کا فاعل حقیقی اللہ سبحانہ و تعالیٰ خود تھا' لیکن مجازاً یا بالفعل یہ پڑھوانا حضرت جبرئیل علیہ السلام کا فعل تھا۔ چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضورؐ ہر رمضان مبارک میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دَور فرمایا کرتے تھے اور اپنی حیات دنیوی کے آخری رمضان المبارک میں آپؐ نے پورے قرآن کا دو مرتبہ دَور مکمل کیا' اور ظاہر ہے کہ نہ آپؐ کا یہ دَورۂ قرآن کسی ترتیب کے بغیر ممکن تھا' نہ ہی آپؐ کے صحابہؓ میں سے جو حضرات پورے قرآن کے حافظ تھے وہ بغیر کسی ترتیب کے حفظ کر سکتے تھے۔

غرضیکہ عقلاً اور نقلاً ہر اعتبار سے یہ بات مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو ایک خاص ترتیب سے نبی اکرم ﷺ کے سینہ مبارک میں جمع کیا اور اسی ترتیب کے ساتھ آنحضور ﷺ نے اُمت کو قرآن سکھایا اور یاد کرایا اور امانت خداوندی کو کامل دیانت کے ساتھ اُمت کے حوالے کر دیا' جیسے کہ آپؐ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا ((تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ کِتَابَ اللّٰہِ)) "میں چھوڑ کر جا رہا ہوں تمہارے مابین وہ چیز جسے اگر تم مضبوطی سے تھامے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے' یعنی اللہ کی کتاب!"

غلط فہمی کا سبب

اس ضمن میں مغالطہ کا سبب یہ ظاہر و باہر اور متفق علیہ حقیقت ہے کہ قرآن کی ترتیب نزولی مصحف کی ترتیب سے بالکل مختلف تھی۔ لیکن اگر ترتیب نزولی اور ترتیب مصحف کے فرق کی حکمت کو سمجھ لیا جائے تو شیطان کو کسی وسوسہ اندازی کا موقع نہیں مل سکتا۔

ہمارا ایمان ہے کہ قرآن اللہ کا وہ کلام قدیم ہے جو ازل سے "لوح محفوظ" (البروج : ۲۲) یا "اُمّ الکتاب" (الزخرف : ۴) یا "کتاب مکنون" (الواقعہ : ۷۸)

میں درج ہے' اور یہ وہ ابدی ہدایت نامہ ہے جو تاقیام قیامت تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کفایت کرے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال کے اس شعر کے مطابق کہ ؎

"نوع انساں را پیام آخریں حامل او رحمتہ للعالمیں!"

اس کا نزول نبی اکرم ﷺ پر ایک خاص زمانے میں اور مخصوص حالات کے تناظر میں ہوا' اور یہ قرآن کا عظیم اعجاز ہے کہ اس کی آیات بینات ترتیب کے ذرا سے فرق کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی حیات دنیوی کے دوران بدلتے ہوئے حالات و واقعات پر اتنے معجزانہ طور پر چسپاں ہوتی چلی گئیں جیسا کہ وہ خاص اِن ہی حالات کے لئے نازل ہوئی ہوں' اور اِس طرح آنحضور ﷺ اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنی دعوت و تحریک کے جاں گسل حالات و واقعات اور مسائل و مشکلات کے ضمن میں بروقت ہدایت و رہنمائی ملتی چلی گئی' جس سے آپؐ کے قلب مبارک کو بھی جماؤ اور ٹھہراؤ اور استقامت حاصل ہوتی چلی گئی اور آپؐ کے صحابہؓ کے دلوں کو بھی سہارا ملتا رہا اور ان کی ڈھارس بندھی رہی۔ چنانچہ یہی بات ہے جو سورۃ الفرقان کی آیت ۳۲ میں بیان ہوئی ہے کہ ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ ﴾ "اور کافروں نے کہا کہ ان پر قرآن ایک ہی مرتبہ پورا کیوں نہ نازل کر دیا گیا؟ (اس کا جواب یہ ہے کہ) ہم نے یہ اس لئے کیا کہ اس کے ذریعے (اے نبیؐ) آپ کے دل کو جماؤ عطا فرما دیں' پس ہم نے اسے پڑھوایا تھوڑا تھوڑا کر کے!"

گویا ترتیب نزولی کی اصل حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ کی دعوت جن جن مراحل سے گزر رہی ہے اور آپؐ کی جدوجہد کو جن جن موانع سے سابقہ پیش آ رہا ہے ان کی مناسبت سے آیات قرآنیہ نازل ہوتی چلی جائیں تاکہ آپؐ کو بروقت رہنمائی ملے اور ہر مرحلے پر جو اعتراضات آپؐ پر کئے جائیں' یا جو سوالات و اشکالات آپؐ کے سامنے پیش کئے جائیں ان سب کا حل اور جواب ساتھ کے ساتھ ملتا چلا جائے' جبکہ ترتیب مصحف وقتی حالات کے تابع نہیں ہے بلکہ لوح محفوظ' یا کتاب مکنون' یا اُم الکتاب کے عین مطابق ہے اور اس کا اصل ہدف ابدی ہدایت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیات اور سورتوں کی اِس

ازلی اور ابدی ترتیب میں غور و فکر کرنے والوں کو عظیم حکمتوں اور علوم و معارف کے نہ ختم ہونے والے خزانوں کا سراغ ملتا ہے اور اس سے علم و حکمت قرآنی کے نئے نئے گوشے روشن ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہی وہ ترتیب ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو نبی اکرم ﷺ کے سینہ مبارکہ میں جمع فرمایا اور اسی کی پیروی اور پابندی کا آپؐ کے متبعین کو حکم دیا' اور یہی ترتیب اب ہمیشہ کے لئے دین میں حجت ہے!!

البتہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن مجید کو ایک کتاب کی شکل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دَور خلافت میں اُس وقت مرتب اور جمع کیا جب جنگ یمامہ میں بہت سے حفاظ صحابہؓ شہید ہو گئے اور اندیشہ ہوا کہ کہیں اِس طرح نوع انسانی قرآن سے محروم نہ ہو جائے۔ چنانچہ آں جنابؓ نے نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک کے جملہ کاتبین وحی کو جمع کر کے اور حضرت زیدؓ بن ثابت کو اُن کا ناظم اور سربراہ بنا کر اس کمیٹی کے سپرد یہ کام کیا کہ قرآن مجید کو ایک کتاب کی شکل میں مرتب کر لیں۔ چنانچہ پورا قرآن کریم جو حفاظ کرام کے سینوں میں محفوظ تھا اور جس کے بعض اجزاء اور مختلف سورتیں بعض صحابہؓ کے پاس تحریری شکل میں بھی موجود تھیں' ان سب کی مدد سے قرآن مجید کو "بین الدُّفَّتین" یعنی جلد کے دو گتوں کے درمیان کتابی شکل میں جمع کر لیا گیا۔

البتہ اس کے پڑھنے میں اہل عرب کے مختلف لہجے تھے۔ اُردو زبان کے بھی مختلف لہجے ہیں' چنانچہ لکھنوی لہجہ اور ہے اور دہلی کا لہجہ اور' اسی طرح حیدر آبادی لہجہ جدا ہے اور ہماری لہجہ جدا' اور ابتداء لوگوں کی سہولت کے لئے انہیں قرآن مجید کو اپنے اپنے لہجوں میں پڑھنے کی اجازت تھی' لہٰذا مختلف لہجوں کا اثر قرآن کریم کی کتابت و قراءت میں بھی آ رہا تھا ـــــ چنانچہ اُمت پر یہ احسان عظیم حضرت عثمان ذوالنورینؓ کا ہے کہ آپؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اُمت کو قرآن کے ایک رسم الخط پر جمع کیا۔ گویا آنجنابؓ قرآن کریم کو جمع کرنے والے نہیں ہیں بلکہ اُمت کو قرآن کی ایک کتابت پر جمع کرنے والے ہیں۔

الغرض سورۃ القیامہ کی یہ دو آیات ﴿اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ○ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ○﴾ یعنی "اے نبیؐ ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا بھی اور اس کا پڑھوانا بھی' تو جب

ہم اسے پڑھوائیں تو آپ اس کو اسی ترتیب سے پڑھئے۔" حفاظت متن قرآن اور جمع و ترتیب قرآن کے ضمن میں قرآن کا ذروۂ سنام ہیں۔

اس کے بعد آیت ۱۹ میں فرمایا ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝﴾ "پھر ہمارے ہی ذمے ہے اس کی تبیین یعنی توضیح و تشریح" ـــــ یہ بات بھی نہایت اہم ہے' اور جس طرح جمع قرآن کے دو مرحلے تھے' اسی طرح اس کے بھی دو حصے ہیں' جن کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ چنانچہ ایک حصہ تو یہ ہے کہ جب قرآن مجید میں نازل شدہ احکام کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں کچھ سوالات پیدا ہوتے تھے تو بعد میں توضیحی آیات نازل ہو جاتی تھیں' ایسی آیات بعض اوقات تو اسی حکم کے ساتھ متصلاً درج کر دی گئی ہیں' بعض اوقات انہیں کسی قدر فصل کے ساتھ درج کیا گیا ہے' اور بعض اوقات سورۃ کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ رمضان کے روزوں کے بارے میں تفصیلی احکام پر مشتمل آیت سورۃ البقرہ کے اسی تیئیسویں رکوع کے آخر میں شامل کر دی گئی جس میں ابتدائی حکم درج ہے' جبکہ دوسری اور تیسری صورتوں کی نمایاں مثالیں سورۃ النساء میں موجود ہیں۔ ایسی توضیحی آیات کے ساتھ آپ اکثر دیکھیں گے کہ یہ الفاظ آتے ہیں ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ﴾ "اسی طرح اللہ اپنی آیات کی تبیین اور وضاحت فرما دیتا ہے۔"

الغرض ایک تو تبیین قرآن یعنی قرآن مجید کی مزید تشریح و توضیح کی صورت یہ ہے کہ وہ خود قرآن ہی کے ذریعے ہو گئی۔ اس کے علاوہ اس کا ایک دوسرا نظام بھی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرض منصبی قرار دیا گیا کہ آپ قرآن مجید کی تشریح و توضیح اور تبیین فرمائیں' چنانچہ سورۃ النحل کی آیت ۴۴ میں فرمایا: ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ "(اے نبی ﷺ) ہم نے آپ پر یہ الذکر (یعنی قرآن) نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لئے وضاحت کریں اس چیز کی جو ان کے لئے نازل کی گئی ہے" ـــــ گویا قرآن مجید کی توضیح و تبیین کی ایک صورت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت خصوصی یا وحی خفی پر مبنی سنت رسولؐ کے ذریعے سامنے آئی۔ اس سلسلے میں کچھ کج فہم اور گم کردہ راہ لوگوں کا یہ اِشکال بالکل بے بنیاد ہے کہ اگر قرآن پر سنت رسولؐ کا اضافہ کیا جائے تو یہ قرآن کی توہین ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن

مکمل نہیں ہے اور وہ اپنی وضاحت کے لئے سنت کا محتاج ہے۔ معاذ اللہ' کوئی صاحب ایمان قرآن کے متعلق ہرگز یہ تصور اور خیال نہیں رکھتا کہ قرآن سنت کا محتاج ہے' البتہ تمام مسلمانوں کا اجماعی و متفق علیہ مؤقف یہ ہے کہ ہم قرآن مجید کو سمجھنے اور اس کی رہنمائی پر عمل پیرا ہونے کے لئے سنت رسولؐ کے محتاج ہیں۔ گویا یہ احتیاج ہماری ہے کہ ہم فہم قرآن اور عمل بالقرآن کے لئے نبی اکرم ﷺ کے اقوال اور افعال مبارکہ کو اپنے سامنے رکھیں اور دیکھیں کہ حضور اکرم ﷺ نے قرآن مجید پر کس طرح عمل کر کے دکھایا ہے اور تعلیمات قرآن کو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے دائروں میں کس طرح بالفعل کیا اور اس طرح اس کا عملی نمونہ پیش فرمایا۔ اس لئے کہ اسی کے حوالے سے ہم قرآن مجید کو صحیح طور پر سمجھ بھی سکیں گے اور اِس پر عمل بھی کر سکیں گے' اور سنت کی یہ تبیین بھی حکماً ہدایت قرآن ہی کا حصہ ہو گی' اس لئے بھی کہ اس تبیین قرآن کا حکم اللہ ہی نے آپؐ کو دیا ہے ـــــ اور اس لئے بھی کہ قرآن حکیم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے متعدد کاموں کو صراحتاً اپنی طرف منسوب فرمایا ہے' جس کی ایک نمایاں مثال سورۃ الانفال میں وارد ہوئی ہے کہ غزوۂ بدر میں نبی اکرم ﷺ نے کنکریوں کی مٹھی بھر کر کفار کی طرف پھینکی تو اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا : ﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ "(اے نبی!) جب آپؐ نے کنکریاں پھینکی تھیں تو آپؐ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں"۔ علامہ اقبال نے اسی بات کو یوں تعبیر کیا ہے ؎

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

الغرض ـــــ معانی و مطالب قرآن کی وضاحت کا ذمہ بھی از روئے آیہ مبارکہ اللہ نے خود لیا تھا ـــــ جو کچھ تو خود قرآن حکیم کی توضیحی آیات کے ذریعے پورا ہوا اور اکثر و بیشتر سنت رسول ﷺ کے ذریعے پورا ہوا۔

بَارَكَ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ' وَنَفَعَنِيْ وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ○○